عربی و دینی مدارس کے نصاب تعلیم کی اصلاح

مولانا حالی کی چند مفید تجاویز

(مولانا الطاف حسین حالی نے اپنے یہ خیالات ایک مضمون کی صورت میں قلم بند کیے تھے جسے مرحوم ندوۃ العلما کے پہلے اجلاس منعقدہ ۱۵-۱۶-۱۷ شوال ۱۳۱۱ھ مطابق ۲۲-۲۳-۲۴ اپریل ۱۸۹۴ء میں جو کانپور میں ہوا تھا، پڑھنا چاہتے تھے۔ مولانا حالی بعض موانع کی بنا پر اس اجلاس میں خود شریک نہیں ہو سکے تھے، لیکن آپ کا یہ مضمون اجلاس میں پڑھا گیا۔

ندوۃ العلما کی تحریک کے دو مقصد تھے، ایک عربی و دینی مدارس کے نصاب کی اصلاح اور دوسرے ان قدیم مدارس میں چند ضروری جدید علوم کی تعلیم کا اجرا۔ برعظیم پاک و ہند میں عربی و دینی مدارس کی ان اصلاحی کوششوں کو شروع ہوئے تقریباً پچہتر سال ہو گئے ہیں، لیکن یہ مسئلہ ہمارے ہاں اب تک موضوع بحث بنا ہوا ہے۔ اس سلسلے میں مولانا حالی نے اصلاح نصاب کے متعلق جو تجاویز پیش کی تھیں، علمی و تعلیمی حلقوں میں ان کا بہت کم تعارف ہوا ہے۔ یہاں مولانا حالی کے مقالات کے مجموعہ میں سے ان کا یہ مضمون شائع کیا جا رہا ہے۔ امید ہے اہل علم بالعموم اور عربی دینی مدارس کے اساتذہ و مہتممین بالخصوص اسے توجہ سے پڑھیں گے ——— مدیر)

مدارس اسلامیہ جو ہندوستان کے اکثر قصبوں اور شہروں میں عالی ہمت مسلمانوں کی کوشش سے قائم ہوئے ہیں جس طرح ان کا قائم کرنا نہایت ضروری تھا، اسی طرح یہ بھی نہایت ضرور ہے کہ ان کو جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں کے حق میں زیادہ مفید اور ان کی موجودہ حالت کے زیادہ مطابق بنانے کی کوشش کی جائے۔ اور سب سے مقدم ان کے سلسلۂ کتب درسیہ کی اصلاح اور ترمیم ہے۔

اس بات کا کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ ہر ملک اور ہر زمانے میں ہمارا سلسلۂ درس یکساں نہیں رہا اور آج کل بھی مختلف ملکوں میں مختلف سلسلے مدارس اسلامیہ میں جاری ہیں، ہر ملک اور ہر زمانے کے علما اپنے ملک اور زمانے کی حالت کے مطابق درس کی کتابیں مقرر کرتے رہتے ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ دینیات میں صرف قرآن و حدیث

کا درس ہوتا تھا۔ پھر فقہ بھی اس میں شامل ہوگئی اور رفتہ رفتہ علم اصول فقہ اس پر اضافہ کیا گیا۔ جب تک یونانی فلسفہ مسلمانوں میں شائع نہیں ہوا تھا، اس وقت تک مدارس اسلامیہ میں معقولات کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔ پھر جب یونانی فلسفہ درس میں داخل کیا گیا تو ایک مدت تک اس میں علم کلام کے شامل کرنے کی کچھ ضرورت نہیں ہوئی۔ لیکن جب یونانی فلسفہ کی ممارست سے مسلمانوں کے عقائد متزلزل ہونے لگے اور اسلام میں نئے نئے فرقے پیدا ہونے لگے تو علم کلام مدوّن کرنے کی ضرورت ہوئی اور وہ بھی سلسلۂ درس میں شامل کیا گیا۔ علیٰ ہذاالقیاس جیسی ضرورتیں پیش آتی گئیں انہی کے موافق سلسلۂ درس میں تغیر اور تبدل اور کمی بیشی ہوتی رہی۔

ظاہر ہے کہ پچھلے پچاس برس سے مسلمانوں کی حالت میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہوگیا ہے۔ اس کے سوا ملک کی حالت بھی بالکل بدل گئی ہے۔ مذاہب پر نہایت آزادی کے ساتھ نکتہ چینی کی جاتی ہے۔ ایسی حالت میں وہ مدارس جو محض دین اسلام کی تقویت کے لیے قائم کیے گئے ہیں، ان میں بعینہٖ وہی سلسلۂ درس قائم رکھنا جو قدیم زمانے سے چلا آتا ہے اسلام کے حق میں مفید نہیں ہوسکتا۔ پس ہمارے علما کو چاہیے کہ بمشورہ وصلاح ہمدگر مدارس اسلامیہ کے سلسلۂ درس پر غور کرکے زمانہ کی ضرورتوں اور مصلحتوں کے موافق اس کو از سر نو مرتب کریں۔

نہایت خوشی کی بات ہے کہ بعض اسلامی مدارس کے مہتمموں کو جیسا کہ سنا گیا ہے کتب درسیہ کے معمولی سلسلے میں کچھ ترمیم یا تبدیلی کرنے کا خیال پیدا ہوا ہے مگر میری رائے میں کوئی مفید تبدیلی یا ترمیم اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک کہ ہندوستان کے تمام یا اکثر مدارس اسلامیہ اس بات پر متفق نہ ہوجائیں کہ کتب درسیہ میں جو تبدیلی یا کمی بیشی کی جائے گی اسی کے موافق تمام مدارس میں درس جاری کیا جائے گا کیونکہ معمولی سلسلے کی کل کتابیں ہر جگہ بہ آسانی اور بہ کفایت مل جاتی ہیں اور اگر یہ سلسلہ بدلا گیا تو ممکن ہے کہ ایسی نئی کتابیں درس میں داخل کی جائیں جو ہندوستان میں بہم نہ پہنچیں بلکہ مصر یا بیروت وغیرہ سے منگوائی جائیں۔ یا بڑی بڑی کتابوں میں سے کچھ کچھ مفید ابواب ومضامین انتخاب کرنے پڑیں اور ان مجموعوں کو بطور کتاب کے علٰحدہ چھپوانا پڑے۔ پس تاوقتیکہ تمام یا اکثر مدارس اسلامیہ ایک سلسلۂ درس پر اتفاق نہ کرلیں تب تک نئی کتب درسیہ کا مہیا ہونا مشکل ہے۔ کیونکہ اہل مطابع صرف ایک دو مدرسے کے خرچ کے لیے نئی کتابیں جن کی ملک میں عام خریداری نہ ہو نہیں چھاپ سکتے اور نہ کسی مدرسہ کے مہتمم چھپوا سکتے ہیں۔

اب میں معمولی سلسلۂ درس کے متعلق اپنے خیالات ظاہر کرتا ہوں۔ اگر یہ بات تسلیم کرلی جائے کہ معمولی سلسلۂ کتب درسیہ کا سراسر مناسب اور مفید ہے اور اس میں کسی قسم کی اصلاح وترمیم کی ضرورت نہیں ہے تو بھی میرے

نزدیک ضرور ہے کہ کبھی کبھی اس میں کچھ پرانی کتابیں درس سے خارج اور ان کی جگہ نئی کتابیں درس میں داخل ہوتی رہا کریں۔ اس سے دو فائدے متصور ہیں۔ ایک یہ کہ ان متواتر تبدیلیوں سے اسلام کے بڑے بڑے نامور اور جلیل القدر مصنفوں کی کتابیں قوم میں شائع ہوتی رہیں گی اور ان کا نام زندہ ہوتا رہے گا۔ اول تو زمانے کے انقلاب سے مسلمانوں کے کتب خانے برباد ہو گئے جو شہر مسلمانوں کے دار العلم تھے ان میں ایک بھی قدیم کتب خانہ باقی نہیں رہا اور اگر بالفرض وہ سب کتب خانے قائم بھی رہتے یا اب ویسے ہی کتب خانے پھر قائم ہو جائیں تو بھی قدیم مصنفوں کا نام صرف کتب خانوں سے زندہ نہیں ہوتا بلکہ ان کی تصنیفات کے درس و تدریس اور پڑھنے پڑھانے سے زندہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو علوم و فنون ہمارے سلسلۂ درس میں بالکل داخل نہ تھے ان کی مستند کتابیں ہندوستان میں بہت کم پہنچیں۔ زیادہ تر وہی کتابیں شائع ہوئیں جو سلسلۂ درس میں شامل ہو گئی ہیں۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ہمارے علما جو مدارس اسلامیہ میں درس دیتے ہیں وہ معمولی کتابیں پڑھاتے پڑھاتے اکتا جاتے ہیں اور ان کو درس و تدریس کے مشغلے میں سلسلۂ درس کے علاوہ اور کتابیں مطالعہ کرنے کا موقع ملنا دشوار ہے۔ اس ترمیم اور تبدیلی سے ان کو ہمیشہ نئی نئی کتابیں دیکھنے کا موقع ملے گا اور ان کے علم و فضل کو نہایت ترقی ہو گی۔

درسی کتابیں جیسا کہ سب اہل علم جانتے ہیں اس لیے ہرگز نہیں مقرر کی جاتیں کہ وہ تمام علوم و فنون پر حاوی ہوتی ہیں اور ان کے پڑھنے کے بعد اور کسی کتاب کے مطالعہ کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ اس لیے مقرر کی جاتی ہیں کہ ان کے پڑھ لینے سے طالب علم کو ہر علم کے ساتھ فی الجملہ مناسبت اور اس کی طبیعت میں ایک ایسا ملکہ پیدا ہو جائے جس کے سبب سے وہ ہر علم کی اعلیٰ سے اعلیٰ کتاب بغیر استاد کی اعانت کے سمجھ سکے۔

ہمارے ہاں جتنے طلبہ فارغ التحصیل ہوتے ہیں اگر تحصیل کے بعد ان پر افکار دنیوی غالب نہ آئے اور ان کو کتب بینی کا شوق باقی رہا تو اکثر یہی دیکھا جاتا ہے کہ وہ طلبہ کی تعلیم اور تدریس میں مشغول ہو جاتے ہیں اور اسی کو علمی ترقی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اگر ان کو درسی کتابوں کے علاوہ کسی نئی کتاب کے دیکھنے کا شوق بھی ہوتا ہے تو درس و تدریس کے مشاغل میں ان کو اتنی فرصت نہیں ملتی کہ کسی نئی کتاب کا مطالعہ کر سکیں۔ پس سوا اس کے کہ درسی کتابیں ان کو خوب ازبر ہو جاتی ہیں اور ان کے تمام مالہٗ و ماعلیہ پر عبور ہو جاتا ہے اور کسی قسم کی نئی اطلاعیں جو آج کل کے جدید تراجم اور مفید تصنیفات میں موجود ہیں ان کو حاصل نہیں ہوتیں۔ ہر علم اور ہر فن میں ان کو صرف انہی چند مصنفوں کی رائیں معلوم ہوتی ہیں جن کی کتابیں سلسلۂ درس میں قدیم سے چلی آتی ہیں۔ گویا ایک دریائے ذخار میں سے چند قطروں پر قانع ہو جاتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اس حالت سے کوئی فرد مستثنیٰ نہیں، بلکہ میرا یہ

مطلب ہے کہ ہمارے اکثر فارغ التحصیل طلبہ کا انجام یہی ہوتا ہے جب کہ یہ حال ہے تو سلسلۂ درس کا کبھی کبھی تبدیل ہونا خاص کر مدرسین کے حق میں نہایت مفید ہوگا، اور ان کو نئی باتوں، نئے تجربوں، نئی رایوں اور نئی حالتوں پر اطلاع یابی کا موقع ملے گا۔

جو کچھ کہ اوپر بیان کیا گیا یہ تو اس صورت میں ہے کہ معمولی سلسلۂ درس سراسر مناسب اور مفید ہو۔ پس درصورتیکہ سلسلۂ مذکور کا ایسا حال نہ ہو وہ بالضرور ترمیم اور اصلاح کا محتاج ہوگا۔ میرے نزدیک موجودہ سلسلۂ درس نہایت نامکمل اور غیر مفید ہے۔ میں اس وقت وہ تمام باتیں پیش کرنی نہیں چاہتا جو اصلاح طلب ہیں۔ چند باتیں اس موقع پر عرض کرتا ہوں۔ اگر ان پر غور اور توجہ کی گئی تو اور مراتب بھی کسی دوسرے موقع پر عرض کیے جائیں گے۔

سب سے بڑا قصور ہمارے طریقۂ درس و تدریس میں یہ ہے کہ صرف و نحو کے ساتھ عربی زبان کے بولنے اور لکھنے کی مشق نہیں کرائی جاتی۔ یہ بعینہٖ ایسی بات ہے کہ معمار اپنے شاگردوں کو معماری کے قاعدے زبانی یاد کرائے اور ان سے کبھی تعمیر کا کام نہ لے۔ یا باورچی کھانا پکانے کی ترکیبیں زبانی یاد کرلے اور کبھی اپنے ہاتھ سے کھانا نہ پکائے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے اکثر فارغ التحصیل طلبہ جو معقول اور منقول کی اعلیٰ سے اعلیٰ درجے کی درسی کتابیں نہایت عمدگی سے پڑھا سکتے ہیں، وہ عربی زبان کے بولنے اور عربی عبارت کے انشا کرنے سے بالکل عاجز ہوتے ہیں۔ اور چونکہ ان کو ابتدا سے لکھنے کی عادت نہیں ڈالی جاتی اس واسطے وہ جس طرح عربی عبارت کے انشا پر قادر نہیں ہوتے اسی طرح فارسی بلکہ اردو لکھنے پر بھی جیسا کہ چاہیے قدرت نہیں رکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ جو طلبہ ہر سال اسلامی مدرسوں سے فارغ التحصیل ہو کر نکلتے ہیں ان میں کوئی مصنف یا مؤلف یا مترجم پیدا نہیں ہوتا۔ ہماری قوم میں جس قدر لائق مدرسوں کی ضرورت ہے اس سے زائد لائق مصنفوں کی ضرورت ہے۔ عربی سے اردو میں ترجمہ کرنا ایک عربی دان فاضل کا سب سے زیادہ سہل اور آسان کام معلوم ہوتا ہے مگر افسوس ہے کہ ایسا سہل کام بھی ان سے سرانجام نہیں ہو سکتا۔

پس میرے نزدیک ایک یہ ضروری بات ہے کہ چھوٹے چھوٹے رسالے عربی جملوں اور فقروں کے عرب عرباء کے کلام سے انتخاب کرکے بنائے جائیں جو ابتدائے تعلیم سے صرف و نحو کے ساتھ پڑھائے جایا کریں۔ اور عربی بولنے اور لکھنے کی مشق طلبہ کو اول ہی سے شروع کرائی جائے تاکہ صرف و نحو کے قواعد بھی ان کے

دلوں پر نقش ہوں اور عربی زبان میں گفتگو کرنے اور عربی عبارت لکھنے کا ملکہ بھی ان میں پیدا ہو۔ اور جب تک کتب درسیہ کا سلسلہ ختم نہ ہو ہر درجے میں اس درجے کی حیثیت کے موافق ادب کی کتابوں کا برابر درس جاری رہے چونکہ اس قسم کی کتابیں اور رسالے ہمارے معمولی سلسلۂ درس میں بالکل موجود نہیں ہیں اس واسطے ضرور ہے کہ ایسی کتابیں عرب عرباء کے کلام سے انتخاب کر کے چند علماء کے مشورے اور اتفاق سے ہر درجے کے موافق بنوائی جائیں۔

اب تک ہمارے ہاں ادب کی تعلیم کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جب طالب علم منتہی ہونے کے قریب پہنچتا ہے اس وقت بعض استاد اس کو دفعۃً ادب کی نہایت مغلق اور مشکل کتابیں جیسے متنبی، حماسہ، سبعۂ معلقہ، مقامات حریری وغیرہ پڑھانا شروع کر دیتے ہیں مگر لکھنے کی اب بھی مشق نہیں کرائی جاتی۔ چونکہ طالب علم ابتدا سے عربیت سے اجنبی ہوتے ہیں جب دفعۃً ایک غریب و غیر مانوس نظم یا نثر اُن کے سامنے آتی ہے تو بعض اوقات ان کو یہ خیال ہوتا ہے کہ یا تو یہ عربی زبان نہیں اور یا جس زبان میں ہم نے اب تک کتابیں پڑھی ہیں وہ عربی زبان نہ تھی۔ خلاصہ یہ کہ ان کو ان عربی کتابوں سے کوئی معتدبہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اگر کسی کو اس فن سے ایسی ہی مناسبت ہوئی تو اس کو صرف اس وقت فائدہ ہوتا ہے کہ وہ اُن کتابوں کو اسی طرح جس طرح کہ استاد نے ان کو پڑھایا ہے، اوروں کو پڑھانے کے قابل ہو جاتا ہے مگر انشا کرنے پر اس کو کچھ قدرت حاصل نہیں ہوتی (الا ماشاء اللہ)۔

ادب کی تعلیم کا ایک نہایت جلیل القدر فائدہ یہ ہے کہ جس قدر ادب سے زیادہ مناسبت پیدا ہو گی اسی قدر قرآن و حدیث کے سمجھنے میں زیادہ آسانی ہو گی۔ اور نظم قرآن کی عظمت اور جلالتِ شان نہ محض حسنِ عقیدت سے بلکہ اذعانِ قلب اور جزم و یقین کے ساتھ دل میں متمکن ہو گی اور قرآن کے وجوہِ اعجاز بیان کرنے پر قدرت حاصل ہو گی۔

دوسری بات جس سے اسلامی مدرسوں میں اب تک ابتدائی تعلیم کے متعلق غفلت کی گئی یہ ہے کہ فارسی یا اردو کو مہمل یا ذلیل سمجھ کر ان کی طرف مطلق اعتنا نہیں کیا گیا۔ بعض مدارس میں صرف اس قدر انتظام ہے کہ جو طالب علم عربی پڑھنا نہیں چاہتے ان کے لیے ایک آدھ مدرس فارسی سکھانے کے لیے مقرر کر دیا گیا ہے۔ مگر جو طلبہ عربی زبان میں تحصیل کرتے ہیں ان کو جہاں تک کہ میں واقف ہوں فارسی اور اردو سے بالکل علٰحدہ رکھا گیا ہے۔ لیکن میرے نزدیک یہ بڑی غلطی ہے۔ فارسی زبان کی اگر تکمیل نہ کرائی جائے تو کم سے کم فارسی کی ادنیٰ اور اوسط درجہ کی کتابیں ضرور سلسلۂ درس میں داخل کرنی چاہئیں۔ اور اردو زبان میں اگر اور کچھ نہیں تو اس کی انشا اور املا کی ضرور مشق

کرانی چاہیے۔

فارسی زبان کی تعلیم کو میں صرف اسی لیے ضروری نہیں کہتا کہ اس سے اردو زبان کی تکمیل میں مدد ملتی ہے بلکہ اس لیے بھی اس کی ضرورت ہے کہ وہ ہندوستان میں مسلمانوں کے بزرگوں کی نشانی ہے اور اس لیے اس کو قائم رکھنا اور اس سے مناسبت پیدا کرنا ہمارا فرض ہے۔ اس کے سوا ہماری اکثر مذہبی، تاریخی، اخلاقی اور علمی کتابیں فارسی زبان میں ہیں۔ اس لیے بھی ہمارے فضلا کو مناسب نہیں ہے کہ اس سے بالکل اجنبی اور ناآشنا رہیں۔

یہ خیال کرنا کہ عربی زبان سیکھنے سے فارسی اور اردو دونوں پر قدرت حاصل ہو جاتی ہے صحیح نہیں ہے۔ البتہ اگر انشا کرنے کی پوری پوری مشق طلبہ کو کرائی جائے تو ممکن ہے کہ ان کو اردو لکھنے میں کسی قدر مدد ملے۔ لیکن اردو انشا پردازی میں فاضلانہ لیاقت جس کی کہ ضرورت ہے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی۔ رہی فارسی، سو وہ خود ایک علیحدہ اور مستقل زبان ہے اور ہماری مادری زبان بھی مثل اردو کے نہیں ہے، وہ عربی سیکھنے سے کیونکر آ سکتی ہے۔ اردو زبان جس میں ہزاروں لفظ ہندی بھاشا کے ہیں، جب ان کے جاننے سے ہم کو بھاشا نہیں آتی تو عربی جاننے سے فارسی (صرف اس وجہ سے کہ اس میں بہت سے عربی الفاظ ملے ہوئے ہیں) کیونکر آ سکتی ہے۔

تیسرا امر قابل غور یہ ہے کہ ہمارا معمولی سلسلۂ درس تاریخ اور جغرافیہ سے بالکل معرا ہے۔ حالانکہ تاریخ اور جغرافیہ ان فنون میں سے ہیں جن کو تمام دنیا کی قوموں میں سب سے اول مسلمانوں نے ترقی دی ہے اور اپنے زمانے کے موافق ان کو کمال کے درجہ تک پہنچایا ہے۔ تاریخ کے درس میں داخل نہ ہونے سے یہ نتیجہ پیدا ہوا ہے کہ مسلمانوں کو فن تاریخ سے بالکل مناسبت نہیں رہی۔ یہاں بے علموں اور ان پڑھ آدمیوں کا ذکر نہیں ہے۔ خود ہمارے اکثر علما و فضلا اسلام کے ان تمام مہتم بالشان واقعات سے بالکل بے خبر ہیں جن کو آج تک مغربی قومیں حیرت کی نگاہ سے دیکھتی ہیں۔ قطع نظر مسلمانوں کی ملکی فتوحات اور علمی ترقیات کے جو خلافت راشدہ یا اس کے بعد ظہور میں آئیں، خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمان برکت نشان کے حالات سے بہت ہی کم اطلاع رکھتے ہیں۔ علم انساب اور علم رجال صرف کتابوں میں رہ گیا ہے، جو قومیں آج اپنے تئیں تمام علوم و فنون میں ساری دنیا سے افضل اور برتر سمجھتی ہیں وہ علانیہ اس بات کا اقرار کرتی ہیں کہ ہماری تمام علمی و عملی ترقیات کا ماخذ مسلمانوں کے علوم و فنون تھے، مگر ہم کو مطلق خبر نہیں کہ ہم کیا چیز تھے اور ہمارے بزرگوں نے علم و حکمت کو کس درجہ تک پہنچایا تھا۔ جغرافیہ میں مسلمانوں کی تحقیقات کو آج تک غیر قومیں نہایت عزت کی نظر سے دیکھتی ہیں۔ جغرافیہ میں ان کی بے مثل تصنیفات اس قابل ہیں کہ ان پر فخر کر سکتے ہیں، اور یورپ کی قومیں ان کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر چھپواتی اور شائع کرتی ہیں۔ مگر ہمارے

اسلامی مدرسوں میں ان کا نام تک کوئی نہیں جانتا۔ ہمارے علم ادب میں، حدیث میں، قرآن میں ہزاروں نام امصار و قریٰ و اماکن و مواضع کے آتے ہیں مگر طالب علموں کو سوا اس کے کہ کسی شہر یا مقام کا نام ہے، ان کی نسبت اور کچھ نہیں بتایا جاتا۔ حالانکہ بہت سے مقامات احادیث وغیرہ میں ایسے آجاتے ہیں کہ جب تک ان کا محل اور موقع اور مفصل حال معلوم نہ ہو عبارت کا مطلب ہرگز ذہن نشین نہیں ہوسکتا۔ بہت سے مقامات قرآن، انجیل اور توریت میں ایسے ہیں کہ جب تک ان کا موقع اور محل معیّن نہ کیا جائے تب تک مخالفین اسلام کے مقابلے میں اسلام کی تائید نہیں کی جاسکتی۔ اسی طرح جغرافیہ اور نیز تاریخ کے جاننے سے اور بے شمار فائدے متصوّر ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

ہمارے علما نے ظاہراً سلسلۂ درس کے مقرر کرنے میں اس بات کا بہت لحاظ رکھا تھا کہ جو فن نہایت آسان ہیں اور جن کو مستعد طالب العلم اپنی قوتِ مطالعہ سے نکال سکتے ہیں، ان کو سلسلۂ درس میں داخل کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور کچھ عجب نہیں کہ تاریخ اور جغرافیہ سے بھی اسی بنا پر قطع نظر کی گئی ہو لیکن فی الواقع یہ خیال صحیح نہیں تھا۔ اول تو آسان سے آسان مضمون جب اس کی طرف توجہ نہیں کی جاتی تو نہایت مشکل مضمون ہو جاتا ہے اور مشکل سے مشکل مضمون پر جب زیادہ غور اور توجہ کی جاتی ہے تو آسان ہو جاتا ہے۔ گویا ذیل کے مشہور شعر میں اسی مضمون کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

مشکل ز توجّہ تو آساں آساں ز تغافلِ تو مشکل

لغت کی کتاب سے لغت نکالنا طالب العلم کا سب سے زیادہ آسان کام ہے مگر ہمارے اکثر طلبہ عدم ممارست کے سبب صراح و قاموس وغیرہ سے لغت بہت کم نکال سکتے ہیں۔ حساب کے ابتدائی قاعدوں کے سوالات انگریزی مدرسوں کے مبتدی نہایت آسانی سے نکال دیتے ہیں اور ہمارے اکثر فارغ التحصیل طلبہ ان کا منہ تکتے رہ جاتے ہیں۔ تاریخ اور جغرافیہ کو اگر فرض کرلیا جائے تو وہ فی الواقع نہایت آسان فن ہیں تو بھی ان کی طرف سے بے اعتنائی کرنے کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ہمارے علما کو تاریخ اور جغرافیہ سے بالکل مناسبت نہیں رہی۔

دوسرے تاریخ کو یہ سمجھنا ہی غلطی ہے کہ وہ نہایت آسان فن ہے۔ بے شک مسلمانوں نے جب اوّل ہی اوّل تاریخ لکھنی شروع کی تھی اس وقت وہ نہایت ابتدائی حالت میں تھی اور اس لیے نہایت آسان معلوم ہوتی تھی۔ مگر اب وہ ایسا دقیق فن ہوگیا ہے کہ تاریخ اور فلسفہ دونوں ہم پلہ سمجھے جاتے ہیں۔ خود بعض مسلمان عالموں کی ایسی تاریخی تحقیقاتیں موجود ہیں جو کسی طرح فلسفہ سے کم رتبہ نہیں رکھتیں۔ منطق کے اصول انسان کی معمولی

بول چال سے استنباط کیے گئے ہیں، گویا منطق کی ابتدائی حالت انسان کی معمولی بول چال تھی۔ لیکن اب وہ نظر اور فکر کے عمدہ نتائج کا ایک نہایت عمیق اور دقیق فن سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح تاریخ ابتدائی حالت میں کیسی ہی آسان ہو لیکن اب وہ فلسفہ کے ساتھ پہلو بہ پہلو چلتی ہے۔ جغرافیہ کا حال بھی تاریخ ہی کے قریب قریب ہے۔ مسلمانوں نے صرف ملکی جغرافیہ لکھا تھا اور وہ فی الواقع نہایت آسان تھا، لیکن اب جغرافیہ میں بعض قسمیں ایسی اضافہ ہوئی ہیں جو فلسفے اور حکمت میں داخل سمجھی جاتی ہیں۔

بہرحال میرے نزدیک کم سے کم ابتدائی جماعتوں کے لیے کسی قدر عربی جغرافیوں کا انتخاب اور کل جماعتوں کے لیے ان کی استعداد اور لیاقت کے موافق عربی تاریخوں کے انتخابات بھی سلسلۂ درس میں ضرور اضافہ کرنے چاہئیں۔

تیسری بات جو سب سے زیادہ توجہ کے لائق ہے وہ یہ ہے کہ ریاضی کو ہمارے سلسلۂ درس میں بہت ہی کم حصہ دیا گیا ہے۔ جبر و مقابلہ کو مسلمانوں کے ساتھ وہ خصوصیت ہے کہ بعضوں نے اس کو خاص مسلمانوں ہی کی ایجاد قرار دیا ہے۔ ہندسہ جو آج تمام دنیا میں پھیلا ہوا ہے وہ بالاتفاق تحریر اقلیدس کے اس ترجمہ کی بدولت پھیلا ہے جو محقق طوسی نے عربی زبان میں کیا تھا۔ اقلیدس کی یونانی تحریر دنیا سے مفقود ہو گئی تھی۔ صرف محقق کا ترجمہ باقی تھا۔ اول اس کا ترجمہ لاطینی زبان میں ہوا اور پھر رفتہ رفتہ تمام یورپ کی زبانوں میں لکھا گیا۔ ہیئت میں مسلمانوں کی ترقی کو تمام یورپ نے تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ ستاروں کے بے شمار عربی نام آج تک یورپ کی زبانوں میں موجود ہیں۔ علم مناظر اور مرایا میں جو نہایت مہتم بالشان مسئلے مسلمانوں نے حل کیے تھے ان میں سے ایک وہ تھا جس کی بنیاد پر زمانہ حال میں عکسی تصویر کا حیرت انگیز فن ایجاد ہوا۔ جر ثقیل میں جو آج کل بے انتہا ترقی ہوئی ہے اس کے بڑے بڑے اصول مسلمانوں ہی کے قائم کیے ہوئے ہیں۔ غرضیکہ ریاضی کی تمام فروع میں مسلمانوں نے اپنے زمانہ کے موافق انتہا درجہ کی ترقی کی تھی۔ باوجود اس کے ہم نے ریاضی سے مطلق سروکار نہیں رکھا۔ یہاں تک کہ ریاضی سے مسلمانوں کی نامناسبت اس زمانے میں ضرب المثل ہو گئی ہے۔ جہاں تک کہ مجھ کو معلوم ہے اکثر اسلامی مدارس میں تو ریاضی کی ایک کتاب بھی نہیں پڑھائی جاتی۔ حساب، ہندسہ، جبر و مقابلہ، ہیئت، علم مثلث، مناظر و مرایا، غرضیکہ کوئی فرع سلسلۂ درس میں داخل نہیں ہے مگر سنا جاتا ہے کہ بعض مدارس میں صرف "خلاصۃ الحساب" حساب میں، "تشریح الافلاک" اور "شرح چغمینی" ہیئت میں۔ اور کہیں کہیں چند مقالے تحریر اقلیدس کے ہندسے میں پڑھائے جاتے ہیں۔

جو لوگ مدارس اسلامیہ کو ترقی دینا اور مفید بنانا چاہتے ہیں ان کا فرض ہے کہ جہاں تک ممکن ہو

سلسلۂ درس میں ریاضی کو جو نہایت ضروری فروع ہیں ان کی مفید کتابیں علما کے مشورہ سے داخل کریں اور ہیئت جدید کی کتابیں جو غالباً مصر میں ضرور لکھی اور چھاپی گئی ہوں گی، اگر ہم پہنچیں تو ان کو بھی وہاں سے طلب کر کے درس میں شامل کریں تاکہ دونوں ہیئتوں کے مقابلہ کرنے کا موقع ملے اور ان میں سے جو ہیئت غلط ثابت ہو اس کو ترک کریں اور جو ہیئت صحیح ہو اس پر اپنے علم کی بنیاد رکھیں۔

ہیئت جدید کو یہ سمجھ کر کہ وہ نصوص قرآنی کے خلاف ہے ترک کرنا اور اس سے دین میں فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ کرنا گویا اس بات کا تسلیم کر لینا ہے کہ دین اسلام اس کے حملے کی تاب نہیں لا سکتا۔ جو لوگ دین اسلام کو دین برحق اور خدا کا بھیجا ہوا دین سمجھتے ہیں ان کا یہ اعتقاد ہونا چاہیے کہ اگر ہیئت جدید سچی ہے تو یقیناً وہ اصول اسلام کے خلاف نہیں ہو سکتی، اور اگر وہ اصول اسلام کے خلاف ہے تو یقیناً جھوٹی ہے اور ہم ضرور اس کی غلطی اور جھوٹ ثابت کر سکیں گے۔ لیکن اس بات کے دریافت کرنے کے لیے کہ وہ غلط ہے یا صحیح یا اصول اسلام کے خلاف ہے یا نہیں، ضرور ہے کہ اول اس کا علم حاصل کیا جائے۔ حکمت یونانیہ جو صدہا سال سے ہمارے ہاں درس میں داخل چلی آتی ہے اس میں بہت سے مسئلے اب تک ایسے موجود ہیں جو عقائد اہل اسلام کے خلاف سمجھے جاتے ہیں۔ باوجود اس کے اس کو درس میں داخل رکھا گیا ہے کیونکہ جب وہ مسائل اور ان کے جوابات جو ہمارے علمائے متکلمین نے دیے ہیں، ساتھ ساتھ پڑھائے جاتے ہیں تو ان مسائل کی غلطی طلبہ کے خوب ذہن نشین ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ہیئت جدید کو بھی درس میں داخل کرنا چاہیے، تاکہ اگر وہ فی الواقع اصول اسلام کے خلاف ہو تو ہمارے علما کو اس کے رد کرنے کا موقع ملے۔

یہ چند باتیں جو اوپر لکھی گئی ہیں ان کے لکھنے سے یہ غرض نہیں کہ خواہ مخواہ ان کے موافق عمل درآمد کیا جائے بلکہ یہ غرض ہے کہ ان کو غور سے سنا جائے اور اگر کوئی بات تسلیم کرنے کے قابل ہو تو اس کے موافق یا اس میں کمی بیشی کرنے کے بعد عمل درآمد کیا جائے۔